جال

جیمز گولڈ سمتھ

ترجمہ: الطاف احمد قریشی

دنیا بھر میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری'
تشدد کے رجحان میں اضافہ' غربت و افلاس کا کستا ہوا شکنجہ
اور ماحول کی آلودگی جیسے سنگین مسائل' بکھرتے ہوئے
عائلی معاشرہ کی چند نشانیاں ہیں۔ اس سے بھی زیادہ ہولناک.....

MashalBooks.org

جال

جیمز گولڈسمتھ

ترجمہ: الطاف احمد قریشی

مشعل
آر۔ بی 5 ' سیکنڈ فلور' عوامی کمپلیکس
عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور54600' پاکستان

MashalBooks.org

فہرست

پیش لفظ ۵
حرف تشکر ۱۵
دیباچہ ۱۶
باب 1 ۱۷
ناپ تول یا فہم و ادراک
باب 2 نیا یوٹوپیا ۲۴
باب 3 ۴۶
اقوام مصنوعی ریاستیں اور گنجان آباد مقامات
باب 4 ۶۸
فلاحی ریاست کے تصور پر نظر ثانی
باب 5 ۷۷
جدید زراعت اور معاشرے کی تباہی
باب 6 ۹۸
ایٹمی توانائی بہت بڑا جھوٹ
باب 7 ۱۱۹
کیوں؟

MashalBooks.org

پیش لفظ

جال (The Trap) ترقی یافتہ مغرب کے لیے وسیع تر تحقیق پر مبنی ایک انتباہ ہے۔ کتاب میں جیمز گولڈسمتھ مغرب میں مروجہ افکار و نظریات یکسر مسترد کرتے ہوئے انہیں مختلف سیاسی معاشی اور معاشرتی مسائل کا موجب قرار دیتا ہے۔ یہ مجموعہ انکشافات قاری کو مغرب کی تیز رفتار ترقی کے پس پردہ جاری تنزل کے عمل سے آگاہ کرتا ہے۔

اس کتاب میں جیمز گولڈسمتھ عالمی آزادانہ تجارت، جدید زراعت اور جوہری توانائی کے پرامن استعمال کو مغربی معاشرہ کے استحکام کے لئے مہلک قرار دیتا ہے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا نقطہ نظر ان خیالات کے بارے میں مختصراً بیان کر دیا جائے تا کہ قاری ابواب کا مطالعہ کر کے اصل حقیقت کی تہہ تک پہنچ سکے۔ مزید برآں قاری کو ان خیالات کے پس پردہ عوامل اور پاکستان جیسے ملک پر ان اثرات سے آگاہ کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

اقتصادی میدان میں جیمز گولڈسمتھ نے اعداد و شمار کے کھیل کو حقیقی معاشی ترقی کا معیار ماننے سے انکار کیا ہے۔ مصنف مجموعی قومی پیداوار (GNP) کو خوشحالی اور فلاح و بہبود کا پیمانہ قرار نہیں دیتا۔ معاشی ترقی کی رفتار تیز کرنے کے لئے قومی پیداوار میں اضافہ ناگزیر ہے لیکن یہ ترقی بہت حد تک سماجی استحکام کی قیمت پر حاصل کی جاتی ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں آمدنیوں میں تفاوت پیدا ہو جاتا ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا جاتا ہے۔ نتیجتاً معاشی ترقی کے ثمرات کی غیر منصفانہ تقسیم معرض وجود میں آتی ہے۔ غیر منصفانہ تقسیم دولت ترقی پذیر ممالک میں مختلف نوع کے سماجی و سیاسی مسائل کو جنم دیتی ہے جو بالآخر سیاسی استحکام پر منفی اثرات مرتب کرتی ہے۔ اس مشاہدہ کا اطلاق پاکستان کے معاشرہ

MashalBooks.org

پر بدرجہ اتم کیا جا سکتا ہے۔ معاشی افزائش کی شرح بڑھنے سے آمدنیوں میں تفاوت بڑھنے لگتا ہے جو سماجی بے اطمینانی میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ تیسری دنیا کے ممالک اس رجحان کا شکار ہیں۔ پاکستان کا ساتواں پانچ سالہ ترقیاتی منصوبہ اس حقیقت کو بہ بانگ دہل تسلیم کرتا ہے۔ معاشی ترقی کی رفتار تیز ہونے کے ساتھ مختلف قسم کے مسائل ترقی پذیر ممالک کو اپنی گرفت میں لے کر دبوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ معاشی ترقی ان ممالک کے لئے پریشان کن حالات پیدا کر دیتی ہے۔ لہٰذا جی این پی (GNP) معاشی ترقی کو ناپنے کا قابل اعتبار معیار گردانا نہیں جا سکتا۔ لیکن کسی اور معیار کی عدم دستیابی میں معیشت دان اسے معاشی ترقی کو جانچنے کا معیار تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ آیئے دیکھیں جیمز گولڈ سمتھ اس ضمن میں کیا کہتا ہے:

''ہم قوموں کی ترقی کو ان کی مجموعی قومی پیداوار کی بنیاد پر ناپتے ہیں۔ اس لیے ہم غلط نتائج حاصل کرتے ہیں اور یہ ایسی غلطیاں ہیں جان کے نتائج بڑے المناک ہوتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ ہم مجموعی قومی پیداوار میں تیز رفتار ترقی حاصل کرنے والے معاشرہ کو دنیا بھر کے معاشروں میں نمونے کے طور پر پیش کریں۔ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ یہ ترقی سماجی استحکام کی قیمت پر حاصل کی گئی ہے۔ مغرب نے اسی طرح دنیا کو عدم استحکام کا شکار کیا ہے۔ ہم نے خود کو قائل کر لیا ہے کہ دنیا میں صرف ایک ہی اقتصادی اور سماجی نمونہ ہے اور وہ ہمارا ہے۔ اسے پوری دنیا پر نافذ کرنے کے لئے ہم نے دنیا کے تقریباً ہر کونے میں اپنی بیماریاں پہنچائی ہیں۔ جرم، منشیات، شراب، خاندانی توڑ پھوڑ، شہروں کے پسماندہ علاقوں میں شہری بدنظمی، تیز رفتار ماحولیاتی آلودگی اور اسی قسم کے دوسرے مسائل جن کا ہم روزانہ سامنا کرتے ہیں وہ بیماریاں جو ہم نے دنیا کے کونے کونے تک پہنچائی ہیں۔ ہم ان بیماریوں کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ ہم دنیا کو یہ بتانے سے نہیں جھجکتے کہ سب کچھ صحت مند اقتصادی ترقی اور خوشحالی لازمہ ہیں......

اقتصادی ترقی صرف اسی وقت تک سود مند ہوتی ہے جب تک وہ
معاشرہ کی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔''

جیمز گولڈسمتھ کا تجزیہ معاشی ترقی کے بارے میں حقیقت پر مبنی نظر آتا ہے۔ آج کل دنیا میں جی این پی (GNP) کو طنزاً (Gross National Pollution) مجموعی قومی آلودگی کہا جاتا ہے۔ جی این پی بڑھاتے بڑھاتے ماحولیاتی آلودگی میں اضافہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جیمز گولڈسمتھ کا یہ نظریہ بھی بڑا وزنی ہے کہ اقتصادی ترقی کا مقصد ایک معاشرہ کی بنیادی معاشی، سماجی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ اس نظریہ کی گونج ترقی پذیر ملکوں میں اکثر سنائی دیتی ہے۔ وقت کا المیہ یہ ہے کہ اقتصادی ترقی کے باوجود تیسری دنیا کے ممالک میں بنیادی زندگی کی ضرورت کہیں پوری ہوتی نظر نہیں آتیں۔ پاکستان بھی ان ملکوں کی صف میں شامل ہے۔

جیمز گولڈسمتھ کتاب کے دوسرے باب میں بین الاقوامی آزاد تجارت اور Gatt کی مخالفت کرتا ہے اور انہیں صنعتی دنیا کو کنگال اور غیر مستحکم کرنے کا باعث قرار دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ بین الاقوامی تجارت کا نسبتی فوقیت کا اصول (Theory of Comparitive Advantage) بیان کر کے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ترقی یافتہ مغربی ممالک کے لئے یہ قطعی طور پر سود مند نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ چین، بھارت، ویت نام، بنگلہ دیش اور سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد الگ ہونے والے ممالک میں بیروزگاری کی شرح بہت زیادہ ہے، لہٰذا بے روزگاری کی وجہ سے ان ممالک میں اجرت کی شرح بہت کم ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کی مصنوعات ان ممالک کی مصنوعات سے لاگت کی بنا پر مقابلہ نہیں کر سکیں گی۔ بہ الفاظ دیگر اجرت کی سطح میں نمایاں فرق ترقی پذیر ممالک میں کل پیدائش مصارف میں کمی کا باعث بنے گا۔ جیمز گولڈسمتھ کے الفاظ میں ''ایسی اقتصادی پالیسی کو اپنانا یقیناً ایک فاش غلطی ہوگی جو آپ کو اپنے ملک کی لیبر فورس ختم کر کے پیداوار کو دوسرے ممالک میں منتقل کر کے امیر کبیر بنا دے۔ ایسی اقتصادی پالیسی کس کام کی جس کے تحت اگر آپ اپنے لوگوں کو روزگار مہیا کریں تو اس سے آپ دیوالیہ ہو جائیں۔'' گولڈسمتھ کے نزدیک تجارت میں توازن حاصل کرنے کے لئے مغربی ممالک کو ایسی مصنوعات تیار کرنا ہوں گی جن میں کم محنت خرچ ہو لیکن اس سے مصنف کی دو باتوں کا خدشہ ہے، پہلے تو یہ کہ ایسی مصنوعات کی

MashalBooks.org

برآمد سے ٹیکنالوجی کی منتقلی نہیں رک سکے گی اور اس طرح مغرب کی اجارہ داری خطرہ میں پڑ جائے گی۔ وہ جنوبی کوریا اور فرانس کے درمیان تیز رفتار ٹرینوں کے معاہدے کی مثال دیتے ہوئے کہتا ہے:

> ''جنوبی کوریا کو ٹیکنالوجی منتقل کرنے کے بعد یہ ہو گا کہ چند برسوں کے دوران ایشیا تیز ترین ٹرینیں فرانس کو نظر انداز کر کے براہ راست جنوبی کوریا سے خریدنے کے قابل ہو جائے گا''

دوسری طرف وہ یوں رقم طراز ہے، ''ہماری تجارت مالیاتی معنوں میں تو متوازن ہو گی لیکن اگر ہم مالیاتی اعداد و شمار سے آگے دیکھیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ روزگار کے معنوں میں انتہائی خوفناک عدم توازن ہو گا''

یہاں اس کے دونوں خدشات بے معنی نظر آتے ہیں کیونکہ ٹیکنالوجی کی منتقلی ہونے کے باوجود ترقی پذیر ممالک میں تیار ہونے والی مصنوعات کوالٹی کے اعتبار سے ترقی یافتہ ممالک کی مصنوعات سے مقابلہ نہ کر پائیں گی۔ دوسرے یہ کہ سائنس کی تیز رفتار ترقی سے ٹیکنالوجی میں سرعت سے تبدیلیاں آنے کی وجہ سے ترقی یافتہ ممالک کا پلہ ہمیشہ بھاری رہے گا۔ فی زمانہ اقتصادی مقاصد ہی سیاسی مقاصد کو شکل دیتے ہیں اور ٹیکنالوجی کی منتقلی میں سیاسی مقاصد کا بھی بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ اس لئے ٹیکنالوجی کی منتقلی سے مغرب کو جو دوسرے بڑے مفادات حاصل ہوں گے ان کو جیمز گولڈ سمتھ نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ مزید برآں ٹیکنالوجی کی منتقلی کا مسئلہ اتنا آسان نہیں ہے۔ اول معاشی مفادات کے پیش نظر مغرب اپنی ٹیکنالوجی تیسری دنیا کے ممالک کو منتقل کرنے پر راضی نہیں ہے۔ دوسرے، تیسری دنیا کے ممالک میں ریسرچ اینڈ ڈیویلپمنٹ (R&D) کی سہولتیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ مغربی ٹیکنالوجی میں جب تک مناسب تبدیلیاں نہ لائی جائیں اسے ان ملکوں کی ضروریات کے تابع نہیں کیا جا سکتا۔

اس سلسلہ میں یہ بات بڑی اہم ہے کہ جنوبی کوریا، ہانگ کانگ اور سنگاپور جیسے ممالک کو چھوڑ کر تیسری دنیا میں اور کتنے ممالک ہیں جو کسی بھی جدید ٹیکنالوجی کو فوراً اختیار کر سکتے ہیں۔ تیسری دنیا کے پسماندہ ممالک ایک لمبے عرصہ تک مغربی ماہرین پر انحصار کریں گے اور جب تک وہاں کے باشندے اس سے متعلق پوری واقفیت حاصل نہیں کر لیتے، اس

عرصہ میں نئی ٹیکنالوجی ایجاد ہو چکی ہو گی اور یہ تبدیلی کا عمل چلتا رہے گا۔ ٹیکنالوجی رخنہ (GAP) بدستور ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے درمیان قائم رہے گا۔

جہاں تک بے روزگاری کا سوال ہے تو اب زمانہ بدل چکا ہے۔ پہلے ترقی پذیر ممالک کے لوگ ترقی یافتہ ممالک میں روزگار کی تلاش میں جایا کرتے تھے۔ اب حالات یکسر تبدیل ہو چکے ہیں۔ ترقی پذیر ممالک میں روزگار پر نہایت شدید قسم کی پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔ بہت سی بین الاقوامی کمپنیاں اپنے ماہرین ساتھ لے کر چلتی ہیں۔ وہ عام مزدوروں کے لئے تو اسی ملک کے باشندوں کو رکھتی ہیں تا کہ ان کی مصنوعات کی لاگت کم ہو، مگر اہم ذمہ دارانہ عہدوں پر وہ اپنے ہی آدمی رکھتی ہیں جیسا کہ خلیجی جنگ کے بعد عرب ممالک میں ہو رہا ہے۔ مزید برآں ٹیکنالوجی کے موجد اپنا کام جاری رکھتے ہیں اور لوگ ان تحقیقی اداروں میں کام کرتے رہتے ہیں اور بے روزگار نہیں ہوتے۔ کئی طریقوں سے بین الاقوامی کمپنیاں اتنا منافع کما کر اپنے ملکوں میں منتقل کر دیتی ہیں جس سے روزگار کے مواقع پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اصل مسئلہ تو تیسری دنیا کے پسماندہ اور غریب ممالک کا ہے جن میں عوام کے لئے سب سے بڑا مسئلہ دو وقت کی روٹی ہے۔

ان سب باتوں سے جیمز گولڈ سمتھ کے متعصّبانہ رویہ کے سوا کچھ اور ظاہر نہیں ہوتا اور اس سوچ کا انداز ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO) کے بارے میں اس کے بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ ان مسائل کے حل کے لئے وہ علاقائی آزادانہ تجارت پر زور دیتا ہے اور کہتا ہے:

> ''ہمیں آزادانہ عالمی تجرات کے نظریہ کو مسترد کرنے سے آغاز کرنا چاہیئے اور آزاد علاقائی تجارت کو اس کے متبادل کے طور پر آگے بڑھنا چاہیئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی علاقہ باقی دنیا کے ساتھ تجارت نہیں کر سکے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر علاقہ یہ فیصلہ کرنے میں آزاد ہو گا کہ وہ دوسرے علاقوں کے ساتھ دو طرفہ معاہدہ کرے یا نہ کرے۔''

دوسرے وہ خصوصی مہارت کو یکسر مسترد کرتے ہوئے کہتا ہے:

> ''چند شعبوں میں خصوصی مہارت حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ

MashalBooks.org

باقی شعبوں کو چھوڑ دیا جائے۔ حالانکہ صرف رنگا رنگ یا مختلف النوع
معیشت ہی روزگار فراہم کرتی ہے جس سے لوگ معاشرہ میں اپنا
کردار بھرپور طریقے سے ادا کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔''

جہاں تک آزادانہ علاقائی تجارت کا تعلق ہے تو اب تک یہ خیال تمام محاذوں پر ناکام رہا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ قومیت پرستی کا بڑھتا ہوا رجحان ہے۔ مزید برآں مختلف علاقائی تنظیموں کے ممالک کے درمیان اختلافات اتنے گہرے ہیں کہ ان کو ختم کرنے کے لئے ایک زمانہ چاہیے۔ مثال کے طور پر تمام یورپین دوسری جنگ عظیم کی تلخ یادیں اپنے سینوں میں محفوظ کئے ہوئے ہیں اور آج بھی ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ECO کو لے لیجئے جو مذہبی، معاشی اور معاشرتی تفریق کے باعث کانفرنس ہال سے باہر نہیں آ سکی اور (Nafta) (North Atlantic Free Trde Area) میں رہتے ہوئے بھی میکسیکو کی معیشت اس طریقے سے بحران سے دوچار ہوئی کہ پاکستان کی سٹاک ایکسچینج متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

جہاں تک خصوصی مہارت کا سوال ہے تو اس بات کو کیونکر نظر انداز کیا جا سکتا ہے کہ یہ صرف خصوصی مہارت ہی ہے جس نے سائنس اور ٹیکنالوجی کو یہاں تک پہنچایا ہے اور انسان کو مختلف مسائل سے نجات دلائی ہے۔ اس لئے انسان کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر خصوصی مہارت ایک ضروری امر ہے۔ خصوصی مہارت کی بنا پر ہی ترقی یافتہ ممالک نے ترقی پذیر ممالک پر فوقیت بین الاقوامی تجارت کے شعبہ میں حاصل کی ہے۔ ترقی پذیر ممالک نے جن میں پاکستان بھی شامل ہے، زرعی خام اشیاء میں تخصیص حاصل کر کے تجارتی توازن اپنے خلاف کر لیا ہے۔

تیسرے باب میں جیمز گولڈ سمتھ نے کسی بھی معاشرے میں تہذیب و تمدن کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے اور اسے کسی بھی قوم کا جزو کامل قرار دیا ہے اور جہاں کہیں بھی ریاستیں کسی مشترک ثقافت کے بغیر تشکیل دی گئی ہیں انہیں جیمز گولڈ سمتھ ''مصنوعی ریاستیں'' قرار دیتا ہے۔

اس کے خیال میں صرف تہذیب و ثقافت ہی ہے جو کسی بھی حقیقی ریاست کو مصنوعی ریاست سے الگ کرتی ہے اور جو قوم اپنی تہذیب اور اپنی ثقافت کو بھول جاتی ہے

MashalBooks.org

وہ مصنوعی ریاست بن جاتی ہے اور اپنے منطقی انجام سے نہیں بچ سکتی۔

ہم نے پاکستان کو اسلامی تشخص کی بنیاد پر حاصل کیا تھا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہماری تہذیب وتمدن کے سوتے اسلامی نظریات وافکار سے پھوٹتے ہیں اور بحیثیت قوم ہمیں ایک الگ خطہ چاہئے جہاں پر ہم ان نظریات کو بنیاد بنا کر اپنی زندگیاں گزار سکیں۔ لیکن صد افسوس کہ ہم ایسے معاشرہ کی تشکیل کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں جس کی بنیاد سماجی انصاف پر ہو۔ چونکہ ایسا معاشرہ وجود میں نہیں آ سکا ہے۔ اس لئے پاکستان بھی ایک مصنوعی ریاست بنتا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم طرح طرح کے لسانی، صوبائی اور فروعی مسائل کا شکار ہیں۔ تہذیب وثقافت کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ ماسٹرچ معاہدے کی بنیاد پر یورپین کمیونٹی کو مسترد کرتا ہے۔ شراکتی جمہوریت کی بات کرتے ہوئے کہتا ہے:

> ''جمہوریت اسی صوبہ میں صحیح طور پر کام کرتی ہے جب اس میں لوگوں کی شرکت ہو۔ صحت مند جمہوریت میں عوام ہی یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ان کے رہنماؤں کے پاس کون سے اختیارات ہونے چاہئیں۔ جھوٹی جمہوریت میں رہنما فیصلہ کرتے ہیں کہ عوام کو کون سی آزادیاں دی جانی چاہئیں''

وہ کہتا ہے:

> ''مزید برآں جمہوریت کو نمائندہ بلکہ شراکتی ہونا چاہئے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ شہریوں کو ایسے معاملات پر فیصلہ دینے کا اپنے پاس اختیار رکھنا چاہیے جو ان کے معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں''

یہاں پر ہمارے لئے سوچنے کا مقام ہے۔ ہمارے ہاں جمہوریت صرف جھوٹے انتخابی نعروں اور نام نہاد الیکشن کا نام ہے۔ انتخابات کے بعد عوام مکمل طور پر ان نمائندوں کے رحم وکرم پر ہوتے ہیں۔ نمائندے غریب عوام کو بھول کر اپنے ذاتی مفادات بڑھانے کی دوڑ میں لگ جاتے ہیں۔ بیشتر نمائندوں کا تعلق جاگیردار گھرانوں سے ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ کسی صورت میں غریب عوام کی اسمبلیوں میں نمائندگی کرنے سے قاصر ہیں۔ کبوتر کی نمائندگی بلی کسی صورت میں نہیں کر سکتی، لہٰذا جمہوری نظام میں تبدیلیوں کی ضرورت ہے جس کے تحت

MashalBooks.org

غریب عوام کی نمائندگی ان کے اپنے نمائندے جن کا تعلق غریب کلاس سے ہو، کر سکتے ہیں۔

گولڈ سمتھ اس قسم کی فلاحی ریاست کے خلاف ہے جس میں ساری ذمہ داری حکومت کو ہی اٹھانا پڑتی ہے۔ اسی لئے وہ کہتا ہے:

''ہر وہ کام خاندان کے سپرد کر دینا چاہئے جو خاندان کی سطح پر ہو سکتا ہے۔ ہر وہ کام جو مقامی، سماجی یا مذہبی گروہوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے اسے انہیں کے سپرد کر دینا چاہئے۔ علاقہ کا کام جو وہ کر سکتا ہے اس کے حوالہ کر دینا چاہئے''

یہاں پر ہمیں اپنے بلدیاتی نظام اور صوبائی خود مختاری کی اہمیت کو سمجھنا چاہیے۔ اس طریقہ سے اگر بہت سے مسائل کو نچلی سطح پر ہی حل کر لیا جائے تو عوام کو بھی سہولت ہو گی اور ساتھ ہی ساتھ مرکز بھی قومی سطح کے مسائل پر پوری توجہ دے سکے گا۔

تعلیم کے بارے میں جیمز گولڈ سمتھ کا کہنا ہے:

''سکول بہت سی قسموں کے ہونے چاہئیں۔ وہ سکول جنہیں ریاست چلائے، میونسپلٹی چلائے، کل کمیونٹی چلائے، فلاحی ادارے چلائیں، ٹیچرز کوآپریٹوز چلائیں، والدین کے کوآپریٹوز اور نجی ادارے چلائیں۔ اس سے والدین کو انتخاب کا موقع ملے گا۔ نتیجتاً جیسا کہ آزاد منڈی کا معمول ہے۔ جو سکول عوام کو مطمئن کر پائیں گے ان میں توسیع ہو گی اور جو عوام کو مطمئن نہیں کر سکیں گے وہ یا تو اپنی اصلاح کریں گے یا ختم ہو جائیں گے''۔

ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ ریاست پر تمام ذمہ داری ڈالنے کی بجائے ہمیں اپنے طور پر سکول کھولنے چاہئیں، کیونکہ ہمارے جیسا غریب ملک ریاستی بنیادوں پر تمام بچوں کے لئے سکول فراہم نہیں کر سکتا۔ لہٰذا NGOs اس سلسلہ میں ایک اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ تعلیمی ٹرسٹ قسم کے ادارے تعلیم کے فروغ میں بڑی خدمت کر سکتے ہیں۔ خواندگی کی شرح بڑھانے کی سلسلہ میں ہمیں ایسے اداروں پر انحصار کرنا ہو گا۔ اس وقت ملک میں دو تعلیمی نظام رائج ہیں۔ ایک نظام کے تحت امراء کے بچوں کی تعلیم کے لئے مخصوص قسم کے تعلیمی

ادارے موجود ہیں جہاں بچوں کو معاشرتی، طبعی علوم میں انگریزی زبان کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے اور لاشعوری طور پر مغرب کی مادی اقدار کو بچوں کے ذہن میں گاڑا جاتا ہے۔ وہ مغربی کلچر کو زندگی میں اپنا کر عوام الناس کے مقابلہ میں اپنے آپ کو برتر تصور کرنے لگتے ہیں۔ دوسرا نظام عام بچوں کے لئے ہے۔ گورنمنٹ کی تحویل میں تعلیمی اداروں کو دیکھ بھال بھی ممکن نہیں ہو پاتی۔لہٰذا عوام کے بچے جو اس نظام کے تحت تعلیم حاصل کرتے ہیں لاشعوری طور پر ذہنی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ دوطبقاتی تعلیمی نظام قومی کلچر کی یک جہتی کے پنپنے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔لہٰذا اگر ہم اپنے معاشرہ سے طبقاتی تفریق کو کم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں تمام تعلیمی اداروں میں یکساں تعلیمی نصاب اور ذریعہ تعلیم رائج کرنا ہوگا۔ بصورت دیگر طبقاتی کشمکش ہمارے درمیان بڑھاتی رہے گی۔

جیمز گولڈ سمتھ نے جدید زراعت کو دیہی علاقوں میں بے روزگاری، شہروں کے بڑھتے ہوئے مسائل اور ماحولیاتی آلودگی کا سبب قرار دیا ہے۔ اس کے خیال میں جدید زراعت دیہی علاقوں میں بے روزگاری کا سبب بنتی ہے اور دیہی آبادی کی شہروں میں منتقلی شہروں کے لئے بڑے مسائل پیدا کرتی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان جیسا ملک اس سے کیسے بچ سکتا ہے۔اگر ہم جدید طریقہ زراعت کو نہیں اپناتے تو کیا ہم سرپلس (Surplus) زرعی پیداوار کو بڑھانے میں کامیاب ہو سکیں گے، جس کی اس وقت اشد ضرورت ہے؟ سو ہماری بقا اور ترقی جدید زراعت کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ درست منصوبہ بندی کے تحت دیہی علاقوں میں صنعت سازی ہمارے بہت سے معاشرتی و معاشی مسائل حل کر سکتی ہے۔ اب تک صنعت سازی شہری علاقوں میں ہوئی ہے اور دیہی علاقے اس کی زد سے باہر رہے ہیں۔ ہمیں موجودہ رجحان کو تبدیل کرنا ہوگا۔ دیہی علاقوں میں صنعت سازی کی وجہ سے معاشی، معاشرتی سہولتیں پیدا ہونا شروع ہو جائیں گی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دیہی علاقوں سے آبادی کی شہروں میں منتقلی کم ہونا شروع ہو جائے گی۔ دیہی علاقوں، شہری علاقوں میں سماجی، معاشرتی سہولتوں میں تفاوت دور کرنے سے منتقلی کا رجحان بہت کم ہو جائے گا۔

اس کتاب کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یقیناً جیمز گولڈ سمتھ کا نقطہ نظر جانبدارانہ نظر آتا ہے کیونکہ اس نے تقریباً معاشی و معاشرتی مسائل کا احاطہ کیا ہے جو مغرب کو درپیش ہیں

لیکن اس کتاب میں ہمارے لئے سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ مغرب کی اندھا دھند تقلید ہمارے حق میں نہیں ہے اور ہمارے منصوبہ سازوں کو ہماری معاشرتی اور معاشی ضروریات سامنے رکھتے ہوئے منصوبہ بندی کرنا ہوگی، تاکہ ہم اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کو اس ٹریپ سے بچاسکیں جس میں ہم پھنستے جارہے ہیں۔

پروفیسر منظور مرزا

MashalBooks.org

حرف تشکر

اس کتاب کے لئے میرے جن دوستوں نے مجھے اپنے مشوروں سے نوازا اور تحقیقی کام میں میری مدد کی، میں ان کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ ان میں جیفری برمین، سٹیوراٹ بوائل، جیکس برویبل، جون کریک نیل، مائیکل کرافورڈ، سٹیفن ڈیلر، برونوار، ہارڈچ سیئیز، چارلس فلمر، جان گرے، نکولس ہلڈ یارڈ، الیگرا ہوسٹن، روبن جیننکز، رچرڈلیسی، اموری لوونز، کلاں ہینری لیکونٹ، ژاں مونا، جرمی رفکن، لوریٹا رکوا نووا، مائیکل شنیڈر، جیمز تھروور، کلیسٹرٹروکے، لوری ویلاش، کارن ویسٹ اور برجٹ ووڈمین شامل ہیں۔

جیمز گولڈسمتھ

MashalBooks.org

دیباچہ

میں نے اکتوبر 1992ء میں سوبورن یونیورسٹی پیرس کے گرینڈ ایمفی تھیٹر میں جیمز گولڈسمتھ کو لیکچر دیتے ہوئے سنا۔ ان کے سامعین کی تعداد دوہزار سے زائد تھی جن کی اکثریت یورپ کے پوسٹ گریجویٹ طلبہ پر مشتمل تھی۔یہی وہ وقت تھا جب میں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ کتاب لکھی جانی چاہئے۔ میں نے اس لیکچر کے دوران بحث مباحثہ اور نوک جھونک نہیں کی بلکہ میں نے تبدیلی کے ایجنٹ کا کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے سوچا کہ سوبورن میں گولڈسمتھ نے جن خیالات کا اظہار کیا، انہیں ریکارڈ کر لینا سود مند ہو گا چنانچہ یہی میں نے کیا ہے۔

ایوزمیساروورچ

(Yves Messarovitch)

MashalBooks.org